Al-Kashaf: Research Journal for Social Sciences (Miscellaneous)
Volume 3 No. 1. January – June 2023
ISSN: 2790 – 8798; E-ISSN: 2790 – 8801

عصری مسائل میں عرف وعادت کی اہمیت و کردار

The Importance and Role of Customs and Traditions in Contemporary Issues

*Khan Muhammad**
[1]*M.Phil Research Scholar, Department of Islamic Studies, AIOU University, Islamabad*

KEYWORDS

Islamic Jurisprudence
Tradition and Modern Issues
Islamic Principles
Cultural Sensitivity
Adaptation in Islam

ABSTRACT

This article explores the importance of tradition in addressing modern issues within the Islamic context. It highlights Islam's unique characteristics as a comprehensive way of life, offering a robust framework for grappling with complex challenges while remaining rooted in its foundational principles. As countries strive to align their legal, political, economic, and social frameworks with Islamic ideals, the relevance of tradition becomes increasingly important. Drawing on primary sources of Islamic jurisprudence, including the Holy Quran, Hadith (Prophetic traditions), consensus among scholars (Ijma), and analogical reasoning (Qiyas), Islam recognizes the central role of tradition as a crucial element in addressing present-day societal concerns. Tradition, as an integral component of Islamic jurisprudence, embodies the accumulated wisdom and practices inherent within specific societies. Islam acknowledges the significance of integrating prevailing customs and norms while upholding its core principles of justice, compassion, and equality. Rather than outright rejection, Islam seeks to achieve harmonization with existing customs, skillfully navigating the complexities of society with cultural sensitivity. Concurrently, Islam assumes a reformative role when customs deviate from its fundamental principles, ensuring a delicate balance between tradition and adaptation. By upholding the relevance of tradition in tackling contemporary issues, Islam offers a dynamic and inclusive approach to problem-solving, steadfastly committed to fostering just, compassionate, and egalitarian societies.

*Corresponding Author: *Khan Muhammad*
Email Address: khanmuhammadislamiat@gmail.com

تعارف

دین اسلام کی ایک اہم اور منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا قانون جامع و مانع ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے منفرد عالم گیر نظام اور ناگزیریت کی بنا پر یہ حیات انسانی کےتمام مشکل مسائل کوبغیر کسی اساسی تبدیلی کے نہایت آسانی سے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ ایسے میں زندگی کا ایک بے مثل اور لازوال نظام انسان کی راہنمائی کرتا ہوا نظر آتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی وہ اسلامی مملکتیں جو اپنےاپنے ممالک میں اسلامی قوانین و دساتیر کو نئےدور کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دینا چاہتی ہیں اور اپنے جملہ نظام ہائے حیات مثلا سماجی ،اقتصادی اور سیاسی نظام کو اسلام کے لبادے میں ڈھالنے کے لئےہمہ تن سعی کر رہی ہیں ان ملل و اقوام کے لیے قرآن مجید، حدیث نبوی مبارک، اجماع اور قیاس بنیادی ماخذ ہیں علاوہ ازیں مصالح مرسلہ اور استحسان بھی اپنا اہم اور مفید کلیدی کردارادا کرتے ہیں ، کسی بھی مسلم سوسائٹی میں پہلے سے مروج رسوم ورواج کا اعتبار کیا جاتا ہے کیوں کہ تغیر زماں کے ساتھ ساتھ احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو مصلحت عامہ کا شرعی مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے لہٰذا عرف و عادت کے تعامل کا اصول اگر مکمل طور پر محو کر دیا جائے تو ہمارا معاشرہ ارتقاء کے بجائے تباہی و بربادی کے دھانے پہ جا کھڑا ہو گا۔چنانچہ انسانی معاشرے میں پہلے سے رائج و شائع عرف وعادت کا اسلام میں بھی حدود وقیودکے ساتھ لحاظ رکھا گیا ہے ۔یعنی بنیا دی نصوص سے تعارض کی صورت میں عرف معتبر نہیں ہو گا یہی وجہ ہے کہ اسلام نظام زندگی کے تمام شعبوں میں ہر سطح پر نہایت متوازن ذرائع استعمال کرتے ہوئے جس مقام پر ِ اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے وہاں **بقدر** ضرورت کے اصول کی بنا پر عرف وعادات اور رسوم میں مکمل طورپراصلاحی یا بعض ترمیمی عمل اختیار کرتے ہوئے انسانی معاشرے کومکمل طو رپر فطری راستے پر فطری طریقے سے گامزن کرنے میں مددفراہم کرتاہے ۔شریعت مطہرہ چونکہ تمام انسانوں کی کامیابی اور کامرانی کی ضامن ہے اس لیے یہ ان عادات و اطوار کو جو اس کے اصولی مبادی سے متصادم ہوں ، حکمت بالغہ کے ذریعے ان کا متبادل فراہم کرنا بھی فراموش نہیں کرتی ہے اور اسی ہی حقیقت کو زیر نظر تحقیقی مضمون میں ثابت کر نے کی کوشش کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ عرف اور عادت اگرچہ مستقل دلیلِ شرعی نہیں ہے تاہم اس بات سے انکار نہیں کہ عرف کی رعایت شرعی نصوص کی تفسیراور مطلق کی تقییداور عام کی تخصیص تک ے لئے کی جاتی ہے اور عرف کی بناءپرکبھی قیاس کو ترک بھی کیا جاتا ہے۔اس لئے اس کی تعریف اور اقسام سے بحث کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے متعلقہ مسائل سے بھی بحث کریں گے۔

عرف کی لغوی تعریف:

عرف اور عادت ایک ہی چیز ہے ۔عود اور معاودۃ سے مأخوذ ہے،لغوی اعتبار سےاس کا معنی طریقہ،طرز اور کسی کام کے بار بارہونےیا کرنے کے ہیں۔

"مأخوذة من العود أو المعاودة بمعنى التكرار، والعادة: اسم لتكرير الفعل أو الانفعال حتى يصير سهلاً تعاطيه كالطبع"[1]

عرف کی اصطلاحی تعریف:

العرف:

ما استقرت النفوس عليه بشهادة العقول، وتلقته الطبائع بالقبول[2] جو عقول صحیحہ اورطبائع سلیمہ کے قبول کرنے سے دلوں میں جگہ حاصل کریں۔ العادة عبارة عما يستقر في النفوس من الأمور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة[3]

عادت ان امور متکرر ہ امور کو کہتے ہیں جو عام لوگوں کو فطرتا قبل قبول ہوں ۔یعنی ہر اس قول و فعل اور عمل کو کہتے ہیں جس کا عوام الناس میں چلن ہو گیا ہو ۔

عرف کی حجیت

قرآن سے ادلہ:

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ[4] "

عرف کے حجت ہونے پر اس کو معتبر شرعی دلیل سمجھتےہیں۔

" قال ابن الفرس: المعنى: اقض بكل ما عرفته النفوس مما لا يرده الشرع، وهذا أصل القاعدة الفقهية في اعتبار العرف وتحتها مسائل كثيرة لا تحصى[5] لا يُؤاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمانِكُمْ وَلكِنْ يُؤاخِذُكُمْ بِما عَقَّدْتُمُ الْأَيْمانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعامُ عَشَرَةِ مَساكِينَ مِنْ أَوْسَطِ ما تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ ذلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمانِكُمْ إِذا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمانَكُمْ كَذلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آياتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ[6]"

اس آیت کریمہ میں اس بات کا بیان ہے کہ کفارہ یمین میں دس مساکین کو کھانا کھلانا ہے اب کسا کھانا کھلانا ہوگا؟تو یہ بات عرف پر موقوف ہوگی۔

فَإِنَّ أَصْلَهُ أَنَّ مَا لَمْ يُقَدِّرْهُ الشَّارِعُ فَإِنَّهُ يُرْجَعُ فِيهِ إِلَى الْعُرْفِ، وَهَذَا لَمْ يُقَدِّرْهُ الشَّارِعُ فَيُرْجَعُ فِيهِ إِلَى الْعُرْفِ، لَا سِيَّمَا مَعَ قَوْله تَعَالَى {مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ[7]۔

احادیث سے دلیل:

حدیث شریف میں ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے نزدیک اچھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے

وقال عليه الصلاة والسلام -: «ما رآه المسلمون حسنا؛ فهو عند الله حسن [8]۔

لیکن علماء کے نزدیک اس دلیل میں کمزوری ہے کیوں کہ یہ حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔اور اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ عرف کا

جُزْءٌ مِنْ حَدِيثٍ رَوَاهُ أَحْمَدُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ بِلَفْظِ أَنَّ اللَّهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ فَاخْتَارَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَ لَهُ أَصْحَابًا فَجَعَلَهُمْ أَنْصَارَ دِينِهِ وَوُزَرَاءَ نَبِيِّهِ، فَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ، وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ قَبِيحٌ. قَالَ الْعَجْلُونِيُّ فِي كَشْفِ الْخَفَاءِ: وَهُوَ مَوْقُوفٌ حَسَنٌ، ثُمَّ نُقِلَ عَنِ الْحَافِظِ ابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ أَنَّهُ رُوِيَ مَرْفُوعًا عَنْ أَنَسٍ بِإِسْنَادٍ سَاقِطٍ، وَالْأَصَحُّ وَقْفُهُ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ.[9]

دیکھاجائے تو اس حدیث کی دلالت مطلق عرف پر نہیں ہے بلکہ انواع پر ہو گی اور سچ تو یہ ہےکہ عرف شریعت میں معتبر ہے اوراس پر بہت سے احکام جاری ہوتے ہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی مستقل دلیل نہیں ہے۔بلکہ یہ ان دلائل سے ماخوذ ہےجو شرعا معتبر ہیں دوسری روایت جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔

"حدثنا محمد بن المثنى، حدثنا يحيى، عن هشام، قال: أخبرني أبي، عن عائشة، أن هند بنت عتبة، قالت: يا رسول الله إن أبا سفيان رجل شحيح وليس يعطيني ما يكفيني وولدي، إلا ما أخذت منه وهو لا يعلم، فقال:خذي ما يكفيك وولدك، بالمعروف"[10]

جب سیدنا ابو سفیان کی بیوی نے شکایت کی کہ میرا خاوند میرے اخراجات پورے ادا نہیں کرتا تو حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا کہ اس کے مال میں سے عرف کے مطابق خرچ لے لیا کرو۔اسی وجہ سے ابن عابدینؒ لکھتے ہیں

"والعرف في الشرع له اعتبار ... لذا عليه الحكم قد يدار"[11]

یعنی شریعت میں عرف معتبر ہے یہی وجہ ہے کہ حکم کا دارو مدار اسی پر ہوتا ہے۔ مستزاد یہ کہ شارع نے عرب میں ان عرفوں کی رعایت کرتے ہوئے جو عرب میں اچھے تھے،ختم نہ کیا ۔تجارت اور بیوع کی ان اقسام کو جو ہر قسم کی خرافات سے پاک تھیں جیسے مضاربت،بیع اور اجارہ کی وہ شکلیں جومفاسد چیزوں سےپاک و مبرا ء تھیں۔مثلانبی کریمﷺ کے زمانے میں لوگ مضاربت کرتے تھےپس آپﷺ نے ان کو برقرار رکھا اوربیع سلم میں بھی گنجاءش دے دی کیوں کہ یثرب کے لوگ کر رہے تھے حالانکہ نبیﷺنے منع کر دیا کہ جو چیز شےبائع کے پاس نہ ہو وہ اسے نہ بیچے اور بيع التمر بالتمر ،یعنی درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ منع کر دیا اور عرایا میں رخصت دی اور وہ یہ ہے کہ تر کھجوروں کی بیع ان کی درختوں پر اس کے مثل کھجوروں سے اندازہ کرنا۔

وروى عبادة بن الصامت قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم في عرايا النخل إذا كان نخلة أو نخلتان أو ثلاث بين النخل فيختلفون في حقوق ذلك فقضى أن لكل نخلة مبلغ جريدها حريمها وكانت تسمى العرايا وذلك إذا اختلف هو وصاحب النخل في حقوقها فيكون لصاحب العرايا ما لا يقوم نخله التي أعريها إلا به.[12]

بیع کی اس قسم کو عرب کے لوگ بہت زیادہ استعمال کرتے تھے تھی اور ان کو اس کی ضرورت بھی تھی۔پس شارع ؑکے یہ تصرفات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ آپ نے لوگوں کے مصالح ومنافع میں عرف کی حد درجہ رعایت کی اور عوام کے منجملہ ما لی و معاشرتی معاملات میں اس کی ضرورت کے پیش نظر شرعی تقاضوں کو پورا کرنے والے عرف کو صحیح اور اس کے مخالف یعنی شریعت سے متصادم عرف کو عرف فاسد ،لغو اور باطل قرار دیا۔جیسے متبنی کے متعلق لوگوں کے رواج اور وہم وگمان کا بطلان کیا ۔

فقہاءکے نزدیک عرف کا مقام اوربعض مسلمہ قواعد کی توضیح

فقہاءنےعرف کو بہت بلند مقام دیاہے،ذیل میں چند قواعد ملاحظہ ہو:

۱۔العادة محكمة[13]"یعنی عادت فیصلہ کن چیز ہے"یاد رہے کہ فقہاءاسلام کے نزدیک عرف اور عادت دونوں مترادفات ہیں ۔پس جب وہ عرف اور عادت سے ثابت کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ان کے نزدیک عرف اور عادت الگ الگ ہے ۔ بلکہ عادت ہی عرف ہے اور عرف کے ساتھ عادت کا لفظ تاکید کےلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

"واعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه في الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلا، فقالوا في الأصول في باب ما تترك به الحقيقة: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة.كذا ذكر فخر الإسلام.فاختلف في عطف العادة على الاستعمال فقيل: هما مترادفان، وقيل: المراد من الاستعمال نقل اللفظ عن موضوعه الأصلي إلى معناه المجازي شرعا، وغلبة استعماله فيه، ومن العادة نقله إلى معناه المجازي عرفا۔"[14]

۲۔الثابت بالعرف كالثابت بالنص [15]یعنی "جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ نص سے ثابت ہونے کی مانند ہے"

۳۔التعيين بالعرف كالتعيين بالنص[16]"جوعرف سے متعین ہوجائےاس کا تعین نص سے ثابت سمجھاجائےگا"

۴۔ ومن لم يدر بعرف أهل زمانه فهو جاهل[17]" جو زمانہ کے عرف سے ناواقف ہونوہ جاہل ہے"

ہر معاشرے میں رہنے سہنے ،کھانے پینے ،لین دین کرنے اور شادی بیاہ کے کچھ خاص طریقے ہوتے ہیں جو رسم و رواج بن جاتے ہیں اسلام کسی معاشی و معاشرتی رواج کا بغیر کسی عذر خاص کے قلع قمع نہیں کرتا بلکہ مفاد عامہ ،مصلحت عامہ اور ضرورت و حاجت کی بنا پر اس

میں کلی اور جزئی اصلاح کی جملہ ممکنہ صورتوں کو بروئے کار لاتے ہوئےانسانوں کے لئے جائز اور روا رکھا اور سمجھا گیا ہے ۔

عرف عملی:

عرف عملی سے مراد وہ کام اور اعمال ہیں جو لوگوں میں مشہور و معروف ہو جائیں ۔جیسے بیع تعاطی [18]خریدو فروخت کے معاہدےکے بغیر ایجاب وقبول کرنا،مہر کو معجل یامؤجل ادا کرنا،عام لوگونکا غسل خانہ میں ٹھہرنے کی مدت کی تعیین کے بغیراورپانی کےاستعمال کی تعیین کے بغیر غسل خانہ میں داخل ہونا تع،گھریلو برتن ،جوتے اور دیگر زرعی آلات کاریگروں سے تیار کروانا۔ اسی طرح کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور مہمان کو از خود علم ہو جاتا ہے کہ اسے کھانے کی اجازت ہے۔ كالاستصناع في كثير من الحاجات واللوازم، وكتأجيل جانب من مهور النساء، ودخول الحمام[19]

اب ان تمام کا دارومدار عرف عملی پہ ہے ۔

عرف قولی:

اس سے مراد بول چال کے وہ الفاظ ہیں جو لوگوں میں مشہور ہوجائیں ۔ان الفاظ کا وہ معنیٰ مراد لیا جائے جو معنی اس کے وضع کردہ معنی کے علاوہ ہو جیسے کہ عرف میں لفظ ولد کا اطلاق لڑکے پر ہی ہوتا ہےلڑکی پر نہیں ،لفظ لحم گوشت کا اطلاق مچھلی کے علاوہ پر،لفظ دابہ کا اطلاق حیوانات میں سے چوپاؤں پرہوگا حالانکہ لفظ دابۃ اصل میں ہر اس چیز کے لئے وضع ہے جو زمین پر رینگنے والی ہے۔

اگر کسی نے کہا :

" حلف لا يأكل اللحم، فأكل لحم سمك، فلا يحنث. إذا وكله بشراء دابة، وكان معروفاً بينهم أنه الفرس، أو ذات الحوافر، لم ينصرف هذا المطلق إلا إلى المتعارف بينهم"[20]

عرف عام یہ ہے کہ عرف اپنی قولی اور عملی دونوں صورتوں میں تمام ممالک میں ایک ہی طرح رائج وشائع ہو ۔اور عوام الناس اس پہ عمل پیرا ہو۔اور عرف خاص یہ ہے اس وقت جب یہ صرف ایک ملک یا ایک قوم یا قبیلے میں مروج ہواور کسی اور میں نہ ہو یا کسی پیشہ یا صنعت و حرفت کے ساتھ خاص ہو،جیسے اذی،سب اور شتم کاانحصار اس جگہ،ملک اور قوم کے ساتھ ہو گا ۔ممکن ہے کہ ایک علاقے میں وہ الفاظ گالم گلوچ کے لئے استعمال ہوتے ہوں جب کہ دوسرے علاقوں میں وہی الفاظ گالی کے معنیٰ کی بجائے کوئی اور معنیٰ دے رہے ہوں ۔اگر بالفرض حقیقت متعذر ہو جائے تو کلام کا وہی معنیٰ سمجھا جائے گا جو اس لفظ کا مطلب اس علاقے میں معروف ہے ۔جیسے کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس درخت سے نہیں کھائے گا تو یہ اس کے پھلوں پر منحصر ہوگا۔اسی طرح کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کے دار میں قدم نہیں رکھوں گا تو اس جگہ کے رواج پر محمول ہوگا اور دخول سے کنایہ ہوگا۔

"حلف لا يأكل من هذه الشجرة، فينصرف إلى ثمرها إن كان لها ثمر، وإلا فلثمنها، صوناً لكلام العاقل عن الإلغاء؛ لأنه يتعذر إرادة المعنى الحقيقي. لو حلف ألاَّ يضع قدمه في دار فلان، فينصرف إلى الدخول بأي وجه كان، راكباً، أو ماشياً، أو حافياً أو منتعلاً؛ لأنه هو المتعارف لا المعنى الحقيقي، وهو مباشرة القدم، دخل أم لم يدخل؛ لأنه مهجور عرفاً، والعرف قاضٍ على الوضع حتى لو تكلف ووضع قدمه ولم يدخل لا يُعدّ شيئاً، ولا يحنث؛ لأنه لم يتعذر المعنى الحقيقي هنا، لكنه مهجور عرفاً وعادة، فيأخذ حكم المتعذر، وتترك الحقيقة، ويصار إلى العرف والعادة"[21].

عرف کی دو قسمیں ہیں ۔

(1)عرف صحیح۔ (۲)عرف فاسد۔

عرف صحیح:

وہ جو شرعی نصوص میں کسی کے مخالف نہ ہو،نہ کوئی شرعی معتبر مصلحت اس سے فوت ہو اور نہ یہ کسی غالب خرابی کے حصول کا ذریعہ ہو۔جیسے لوگوں میں مشہور ہے کہ عقد نکاح میں لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور ان میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔اسی طرح وہ کپڑے جو لڑکی کو منگنی میں دئیےجا تے ہیں اور دوسری اشیاء جو عورت کو دی جاتی ہےوہ ہدیہ کہلاتی ہیں وہ مہر میں داخل نہیں ہوتس۔

عرف فاسد:

وہ جوکسی نص کے مخالف ہو،یا اس سے نقصان ہوتاہویا کوئی مصلحت ضائع ہوتی ہو جیسے لوگوں میں ناجائز معاملات عام ہیں۔مثال کے طور پر سود پر قرض لینا،جوئے میں رقم لگانا،تاش کھیلنا اور گھوڑوں کی دوڑ میں پیسے لگا کرحصہ لینا ۔

إذا وافق العرف والعادة الدليل الشرعي فيجب مراعاته وتطبيقه؛ لأن العمل في الحقيقة بالدليل الشرعي لا بالعرف وإنما يستأنس بالعرف فقط.ثانياً: إذا خالف العرف الدليل الشرعي فالنظر إلى ذلك من أوجه:

الوجه الأول:أن يخالف العرف الدليل الشرعي من كل وجه، وهو ما يعبر عنه بمصادمة النص، ويلزم من اعتبا العرف ترك النص، فهذا لا شك في رده وعدم اعتباره[22]

اسی طرح عرف حقیقت میں ان ادلہ کی طرف لوٹتاہے جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہےجیسے اجماع،مصالح مرسلہ اور ذرائع،پس جوعرف اجماع کی طرف لوٹتاہے اس کی مثال استصناع یعنی آرڈر پر مال بنوانااور حمام میں داخل ہونا۔اسی طرح جب عرف لوگوں کو مشقت اور تنگی سے نجات دیتا ہو اور سہولت میسر کرتا ہوں۔اسی بات کی طرف مبسوط سرخسی میں اشارہ کیاگیاہے۔اس میں ہے کہ جو چیز عرفاًثابت ہو وہ حقیقتا ایک شرعی دلیل کے طور پر ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ ظاہری عادت سے روگردانی واضح تنگی اور حرج ہے۔ لأن الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي ولأن في النزوع عن العادة الظاهرة حرجا بينا، وإن كان شرطا لا يقتضيه العقد[23]۔اس کے ساتھ علماءکرام نے عرف کو دلیل بنایا ہے اور اپنے اجتہاد میں اس کا اعتبار کیا ہے جیسے ماقبل میں ابن عابدینؒ کا قول ذکر کیا گیا ہے۔

عرف کے معتبر ہونے کی شرائط

عرف کے معتبر ہونے اور اس پر احکام کی بنیاد رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہیں:

اول یہ کہ عرف شریعت کے کسی حکم (نص) کے خلاف نہ ہو۔اگر وہ عرف کسی نص کے خلاف ہو تو اس عرف کو ہرگز قبول نہیں کیاجائے گا۔جیسے کسی ملک میں سود کھانے کا رواج (عرف) ہو تو یہ عرف کسی صورت جائز نہ ہوگا۔یا اگر کسی مقام پر شراب نوشی کا رواج ہو تو ایسے عرف کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور شریعت میں اس کاکوئی اعتبار نہ ہوگا۔اور مخالف نہ ہونے کی صورت میں اس عرف کو درست قرار دیا جائے گا۔جیسے لوگوں کے درمیان یہ بات معروف ہے کہ امانت رکھنے والے آدمی کو امانت حوالہ کرنے کی اجازت ہے اس دوسرے شخص کو جس کو عادت کے مطابق حوالہ کی جاسکتی ہیں۔اسی طرح امانت رکھنے والے کی بیوی،اولاد اور اس کے خادم اور اسی کی دوسری مثال منقولہ مال کا وقف کرنا اور وہ تمام شرائط جو ان عقود کو شامل ہیں کہ جن پر عرف صحیح کا فیصلہ ہوتا ہے۔

لأنه متعارف بين الناس ومن الشرائط في العقود ما يجوز العرف[24]

عرف غالب اور مشہور ہو:

یعنی اس کی عادت عام ہو اس معنی کے ساتھ کہ کوئی اس کا مخالف نہ ہویا مطلب یہ ہے کہ یہ عرف عام لوگوں کے درمیان عام اور شائع ہو اور ان کے اندر یہ عرف اکثر پایاجاتا ہو،مراد یہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والے بہت کم ہوں۔غلبہ اور اطراد ان دونوں کا اعتبار اس وقت ہوتاہے جب یہ عرف اہل عرف کے درمیان پایا جائے ۔

سوم یہ کہ وہ عرف جس پر کسی تصرف کو محمول کیا جائےوہ عرف اس معاملہ کے ہوتے وقت موجود ہو بایں طور کہ وہ عرف تصرف کے وقت سے پہلے وجود میں آئےپھر اس کے زمانے تک جاری رہے اور اس کے وجود سے ملا ہواہو اور ضروری ہے ان دلائل کی تفسیر جو اوقاف ،وصیتوں،بیع کے معاملات اور شادی کی دستاویزات سے متعلق ہوں اور جو شرائط اور اصطلاحات پائی جائیں ان معاملہ کرنے والوں کے زمانہ کو اس عرف کے مطابق ان کو سمجھا جائے گا ،نہ کہ اس عرف کے مطابق جو ان کے بعد پیدا ہواہو۔اگر کوئی شخص اپنی زمینی آمدنی علماء اور طلباء پر وقف کرےاور وہ عرف وقف کرنے کے وقت قائم ہوایسے علماء کے ساتھ جو امور دین کے خبرگیری رکھتے ہوں نہ کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری شرط ہو اور طلباء سے مراد علم دین کے طالب علم ہوں پس وہ آمدنی انہی علماء پر خرچ ہوگی اور ان علماء کے لئے سند کے حصول کی شرط نہ ہوگی جب کہ اس کے اور عرف میں سند کے حصول کو ضروری سمجھا جائے۔اسی طرح یہ آمدنی صرف علم دین پڑھنے والے طلباء پر خرچ ہوگی اگرچہ بعد میں عرفاً اس کا اطلاق عام ہو یعنی دینی اور دنیاوی علوم دونوں پر اطلاق ہوگا[25]۔

یہ کہ ایسا کوئی قول یا عمل نہ ہو جو عرف کے خلاف فائدہ دیتا ہوجیسا کہ جب بازار میں عرف قیمت کے قسط وار ادا کرنے پر ہو مگر متعاقدین اس بات پر متفق ہوں کہ نقد ادا ہو یا اس بات پر عرف ہو کہ مال کی برآمدگی کا خرچ خریدار پر ہے جب کہ متعاقدین اس بات پر متفق ہوں کہ یہ بائع پر ہوگایا یہ عرف ہو کہ زمین کی رجسٹری کرنے کا خرچہ مشتری پرہے مگر طرفین اس بات پر اتفاق کرلیں کہ بائع پر ہوگا،تو ان تمام صورتوں میں عرف پر عمل نہیں ہوگا۔اور اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز عرف کے بغیر ثابت ہو،تو عرف ثابت نہیں ہوگااگر اس کے خلاف کوئی شرط لگا دی جائے۔[26]

عرف تطبیق احکام کامرجع ہے:

حادثات اور جزئی واقعات پر احکام کی تطبیق لوٹنے میں اعتبار کیا گیا ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ گواہی قبول ہونے کے لئے عدالت کی شرط ضروری ہے۔دلیل ارشاد ربانی ہے۔وأشهدوا ذوي عدل منكم [27]اور عدالت فقہاء کے نزدیک ایک ملکہ ہے جو ملکہ والے آدمی کوتقویٰ اور مروت پر قائم رہنے پر ابھارتی ہے۔جو چیز مروت میں مخل ہے وہی چیز عدالت میں بھی باعث نقصان ہے اور جو چیز مروت میں مخل ہے وہ زمانہ اور مکان کے بدلنے کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے۔جیسے نفقہ کے بارے میں مطلقا آیا ہے۔وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف[28] تو نفقہ مقرر کرنے کی مقدار کے لئے عرف کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کیونکہ نص اس کے بارے میں مطلق ہے اس میں مقدار کی تعیین نہیں ہے۔

وَلَا دَلَالَةَ فِيمَا ذَكَرَهُ هَذَا الْقَائِلُ عَلَى نَفْيِ وُجُوبِهَا; لِأَنَّ إيجَابَهَا بِالْمَعْرُوفِ لَا يَنْفِي وُجُوبَهَا; لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ مَعْنَاهُ الْعَدْلُ الَّذِي لَا شَطَطَ فِيهِ وَلَا تَقْصِيرَ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: {وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} وَلَا خِلَافَ فِي وُجُوبِ هَذَا الرِّزْقِ وَالْكِسْوَةِ وقَوْله تَعَالَى: {وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} بَلْ الْمَعْرُوفُ هُوَ الْوَاجِب[29]

یعنی اگر کوئی عورت نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کرے تو اس جیسی عورتوں سے اس کا نفقہ زیادہ نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر شوہر نفقہ کم کردے اس سے جو عرف اور عادت میں موجود ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو عرف کے مطابق نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح وہ امور جو شارع کی جانب سے واجب ہیں مگر ان کی مقدار مقرر نہیں کی تو ان کی مقدار کی تعیین کی لئے عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تبدیلی کا قضیہ:

وہ احکام جو عرف اور عادت پر مبنی ہوں وہ عادت کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔یہی فقہاء کا مقصد ہے کہ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سےاحکام بدلنے کا انکا رنہیں کیا جا سکتا۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جو احکا م عرف اور رواج کی وجہ سے مرتب ہوتے ہیں وہ انہی کے سا تھ گھومتے ہیں جیسے بھی وہ گھومیں۔

أَنَّ لْأَحْكَامَ الْمُتَرَتِّبَةَ عَلَى الْعَوَائِدِ تَدُورُ مَعَهَا كَيْفَ مَا دَارَتْ. وَتَبْطُلُ مَعَهَا إذَا بَطَلَتْ كَالنُّقُودِ فِي الْمُعَامَلَاتِ وَالْعُيُوبِ فِي الْأَعْرَاضِ فِي الْبِيَاعَاتِ وَنَحْوِ ذَلِكَ فَلَوْ تَغَيَّرَتْ الْعَادَةُ فِي النَّقْدِ وَالسِّكَّةِ إلَى سِكَّةٍ أُخْرَى لَحُمِلَ الثَّمَنُ فِي الْبَيْعِ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ عَلَى السِّكَّةِ الَّتِي تَجَدَّدَتْ الْعَادَةُ بِهَا دُونَ مَا قَبْلَهَا وَكَذَلِكَ إذَا كَانَ الشَّيْءُ عَيْبًا فِي الثِّيَابِ فِي عَادَةٍ رَدَدْنَا بِهِ الْمَبِيعَ فَإِذَا تَغَيَّرَتْ الْعَادَةُ وَصَارَ ذَلِكَ الْمَكْرُوهُ مَحْبُوبًا مُوجِبًا لِزِيَادَةِ الثَّمَنِ لَمْ تُرَدَّ بِهِ وَبِهَذَا الْقَانُونِ تُعْتَبَرُ جَمِيعُ الْأَحْكَامِ الْمُرَتَّبَةِ عَلَى الْعَوَائِدِ وَهُوَ تَحْقِيقٌ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ لَا خِلَافَ فِيهِ[30]

اور یہ عرف کے ساتھ باطل ہوجاتے ہیں جب وہ باطل ہوں۔جیسے سکے کی معاملات میں تجارتی مال خرابی اور عیب کا ہونا اور ایسی دوسری صورتیں۔اگر نقدی سکہ کا رواج بدل جائے اور ایک سکہ دوسرے سکہ کی جگہ لےلے۔تو بیع میں بطور ثمن اس سکہ کا اعتبار ہوگا جو عادت کی وجہ سے نیا رائج ہو، نہ کہ پرانے سکہ کا۔اور اسی طرح جب کپڑے میں خرابی عیب شمار ہوتی ہو تو اس مبیعہ کو اس عیب کی وجہ سے لوٹایاجا سکتا تھاپس جب عادت بدل جائے اور اس عیب کو پسند کیا جانے لگا اور وہ قیمت کی زیادتی کا موجب بھی ہوتو اس کو لوٹایانہیں جائے گااور یہ قانون معتبر سمجھا جائے گاان تمام احکام میں جو عرف اور عادت کی وجہ سے مرتب ہوجائے۔اور تمام علماء کا اس پر اجماع ہے اور اس قانون کی رعایت کی جائے گی فتوونمیں ہر زمانہ کے اندر پس جب کبھی نیاعرف پیداہوگا اس کااعتبار ہوگا اورجب وہ ساقط ہوگاتواس کا حکم بھی ساقط ہوجائےگا۔

اس کے بعدعرف کے لئے جو شرائط ہیں ان کا تذکرہ زیر نظر تحقیقی کاوش میں کیا گیا ہے،اس لئے کہ عرف مستقل شرعی دلیل نہیں بلکہ معاون کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے حدود اور قیود وضع کی گئی ہیں ۔ امام ابو یوسفؒ نے اس فقیہ کے قول کو معاملات میں مفتی بہ گردانا ہے جس کے پاس لوگوں کی عملی زندگی اور ان کے رسم و رواج سے خوب اگاہی حاصل ہو۔ امام محمدؒ انگریزوں کے احوال کی تفتیش کے لئے ان کے پاس جاتے اور ان کے یہاں رائج طریقۂ کار سے واقفیت حاصل کیا کرتے۔ لہذا شریعت مطہرہ میں عرف و رواج کو ملحوظ خاطر رکھا گیا، بشرط یہ کہ شریعت اسلامیہ سےکسی صریح حکم سے متصادم نہ ہو۔:

جدید مسائل میں عرف وعادت سے استنباط:

شریعت اسلامی ایک طرف دائمی، ابدی اور رواں دواں شریعت ہے اور دو سری جانب اسلامی شریعت نے احکام و قوانین ایسے وضع کئے ہیں جو زندگی کے مختلف پہلووؤں سے متعلق اللہ تعالی کی طرف سے نازل کے گئے ہیں ،یہ احکام و قوانین ،فکر و اعتقاد،اخلاق و کردار، معاملات زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہیں، پھر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ نت ان پیش آ نے والیے مسائل کاحل بڑے احسن انداز سے شریعت نے پیش کیا ہے۔

شرع کے مخالف عرف اور اس کی امثلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ" منگیتر سے ملاقات کرنا" اس سے ٹیلی فون پر بات کرتا اور اس کے ساتھ گھومنے پھرنے کاآج بہت رواج اورچلن ہے کیا یہ عمل شرعاً جائزہے؟ میرے معاشرے تک رواج عام ہے اس کو تو کوئی بھی برانہیں سمجھتا اسکی وجہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے منگیتر اجنبی ہے لہذانکاح سے پہلے منگیترکا حکم بھی وہی ہو گا جو ہر غیر مرد کا ہے کہ اس کا اس کے ساتھ خلط ملط ہو جانا کسی بھی اسلامی معاشرے میں روا نہیں ہے کیو نکہ کہ یہ ازخود ایک شریف اور مہذب معاشرے میں نہایت براسمجھا جاتا ہے۔ علاوہ از یں معاشرے میں کسی بھی عمل و حرکت کا رسم ورواج ہوجانا کوئی دلیل نہیں۔ ایسا غلط ر رواج اور طریقہ جو خود شریعت کے خلاف ہو ہو خود اصلاح کے لائق ہے۔ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لڑکیاں غیر مردوں کے ساتھ آکر بے حجاب گھومتی پھرتی ہیں،کیا اس کو جائز کر لیا جائے ۔[31]

انسانی عرف تجارتی کے متعلق جدید مسائل :

انسانی ارتقا نے جو جدید سہو لیات مہیا کی ، ہیں ان سے فائدہ اٹھانا بھی عرف و عادت کے زمرے میں آجاتا ہے۔ اس لیے رویت ہلال میں جدید مشینوں کا استعمال اس میں شامل ہے۔ جرائم کے اثبات میں تربیت یافتہ کتوں اور انگلیوں کے نشانات (Finger Prints) ، اور قتل، ڈاکہ زنی و زنا جیسے دیگ سنگین مقدمات و معاملات کی تفتیش و تحقیق اور مجرمین کی تلاش میں ڈی این اے ٹیسٹ اور پوسٹ مارٹم ،جیسے کئی دوسرے ذرائع استعمال کیئے جاتے ہیں اور انہیں عدالتوں میں درست تسلیم کر کے اس کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں ۔تو پتہ چلا کہ فقہ جدید مالی و معا شرتی پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے جامع ، مربو ط ، منظم اور متیقن (Cobotene)اصول وضو ابط رکھتی ہے ۔ اس ضمن میں فقہاکے متعین کرد ہ قواعد و ظوابط مظبوط عقلی و نقلی بنیاد پرنہ صرف قائم ہیں اور چند فروعی اختلافات سے قطع نظر فقہاء کے درمیان تسلیم شدہ ر ہے ہیں کیوں کہ ان کی بنیاد قر آن، سنت ،اجماع اور فقہا و صحابہ کے اختلافات و اجتہادات ہیں ۔ ان قواعد کی جامعیت وافادیت عقلی تتبع و استقرا کے لحاظ سے بھی بالکل درست ہو سکتی ہے اور ان کے چودہ سو سال کے عملی استعمال نے بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ کل بروز قیامت تک ایک انسانی زندگی کو پیش آنے والے ہر مسئلے کا سامنا کرنے اور ہر قسم کے مسائل کے حوالے سے دین کا مقصد و مدعا متعین کرنے کے لیے کافی وشافی ہے۔

حقوق عرفیہ:

فقہا کے نزدیک حقوق عرفیہ سے مراد وہ حقوق جو نصوص شرعیہ سے ثابت شدہ نہیں ہو تے ، لیکن تعامل بین الناس ،ماحول یا لوگوں میں عرف کی بنا پہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ چوں کہ ان کے حجت ہونے کا دار و مدار عرف پر ہے، اس لیے زمانے کے بدل جانے کی وجہ سے یہ مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ حقوق عرفیہ کی چند نت نئی صور تیں جو عصر حاضر میں رواج پزیر ہیں اور انہیں اہل علم و تعلیم نے قبول کیا ہے،ان میں سے کچھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں :

تجارتی عرف کی مثالیں اور ان کے احکام : (Examples of Customarily trade and rulings)

مکانوں اور دکانو ں کی پگڑی /Houses and shops advance

کرایہ داری کے مروج طریقوں میں جائیداد کا مالک کرایہ دار سے کرایہ کی رقم کے علاوہ ایک متعین رقم الگ سے وصول کرتا ہے جس کا مقصد کرایہ دار کی طرف سے جائیداد کی حفاظت اور وقت متعین میں جگہ خالی کرنے کی ضمانت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اہل علمنے اس صورت کو بڑی خوش دلی سے صحیح تسلیم کیا ہے۔

اس ایڈوانس رقم کے بارے میں اصل حکم عدم جواز کا ہے کیونکہ یہ یا ' الرشوت " ہے " یا حق مجرد " کا بدل ہے۔ لیکن بعض فقہا نے اس کے جوازکا فتوی دیا ہے سب سے پہلے وہ فقیہ جن کی طرف بدل غلو " پگڑی" کے جواز کی بات منسوب ہے دسویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ علامہ ناصر الدین لقائی ہیں، لیکن اس کے بعد اکثر علماء نے اس مسئلہ میں ان کی اتباع میں جواز کا فتوی دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں :

وقد اشتهر نسبة مسألة الخلو إلى مذهب الإمام مالك ..... وإنما فيها فتيا للعلامة ناصر الدين اللقاني المالكي بناها على العرف وخرجها علیہ [32]

خلو کی نسبت امام مالک کی طرف کی جاتی ہے حالانکہ اس کے مطابق امام مالک سے کوئی قول منقول نہیں ہے ان کے اس فوجی کو قبول کیا ہے۔اور نہ ہی ان کے کسی شاگرد سے کوئی روائت ہے البتہ امام مالک قرانی مالکی تحریر کرتے ہیں ،فقہا نے اس مسئلےمیں کلام نہیں کیا ہے لیکن اس مسئلے میں کلام نہیں کیا ہے علامہ ناصرالدین لقانی کا اس مسئلے میں ایک فتوی منقول ہے ،جس کی بنا عرف و تعامل پہ رکھی گئی ہے ،لہٰذاصحاب ترجیح میں ہونے کی وجہ سےتمام ہم عصر علما و مفتیان میں ان کے فتوٰی کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے ۔

حق تالیف و ایجاد و طباعت :

جدید قوانین وضوابط کی روشنی میں کسی کتاب کے منصف یا ناشر کا یہ بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر یا بغیر معاہدہ کیئے کوئی دوسرا فرد یا ادارہ اس کتاب کی اشاعت نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ ان کا بنیادی اور ذاتی حق ہے ۔ اس لئے بعض موجدین مولفین اور مصنفین کی اجازت اور ان سے معاہدہ کے بغیر کسی اور سے کوئی دوسرا فرد یا ادارہ اس کی اشاعت و طباعت نہیں کر سکتا اور فروخت بھی نہیں کر سکتا۔

رجسٹرڈ کمپنیوں کے نام اور ٹریڈ مارک (تجارتی علامت):

رجسٹرڈ کمپنیاں مختلف کاروباری نوعیت کے مفاد کے لئےاپنے مخصوص تجارتی نام اور ٹریڈ مارک بنا کر ان کی بڑی دھوم دھام سے تشہیر کراتی ہیں تاکہ وہ اشیاء مارکیٹ میں شہرت دوام حاصل کریں ۔اس جدید اصول و ضوابط کی روشنی میں دیگر کمپنیوں کو اس مخصوص نام یا ٹریڈ مارک کے ساتھ اشیاء بنانے یا بیچنے کی اجازت بالکل نہیں ہے کی اجازت نہیں ہے ۔،کیوں کہ اس سے رجسٹرڈ کمپنی کو تجارتی لحاظ سے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔اور لوگوں کے ساتھ بھی دھو کہ ہوتا ہے

تجارتی لائسنس کی خریدو فروخت :

مندرجہ بالا جو حکم بیان کیا گیا ہے تجارتی لایسنس کا اطلاق اس پہ ہو گیا ہےکہ ان دونوں کی بیع کا عوض لینا ۔۔بالکل اسی حکم کا اطلاق تجارتی لایسنس پہ بھی ہو گا ۔اس لائسنس کی صورت یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں اکثر ممالک میں حکومت کے جاری کردہ لائسنس کے بغیردرآمدات و بر آمدات کی اجازت کسی صورت میں نہیں ہے ۔بظاہر یہ امر تا جروں کےلیے ایک طرح کی پابندی ہےجسے مقدس دین اسلام کے اندر ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا گیا ہے ۔لیکن بدیہی اور حقیقی امر اور واقعہ یہ ہے کہ فی زمانہ اکثر ممالک میں یہی رائج ہے ۔عصر حاضر کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے تجارتی اور کاروباری نقطہ نظر سے لائسنس کی بڑی اہمیت و افادیت ہے اس لیے کہ تمام بڑےبڑے کاروبار اور تجارتی پروجیکٹس کامکمل دارومدار تجارتی لائسنس پر ہی ہوتا ہے،لائسنس کے بغیر کاروبارکرنا قانونی اعتبار سے بالکل ممنوع ہے ،علاوہ ازیں لایسنس کا حاسل کرنا کافی مشکل ہے یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں جس میں وقت اور مال خرچ ہوتا ہے ۔اگر وہ لائسنس ایسے کاروبار کا ہے جو شرعا

جائزہے تو اور جس کے قانونا بیچنے اور خریدنے پر کوئی پابندی نہیں ہے ،تو اس کی خریدو فروخت جائز ہے ۔فقہی کتب میں اس کی بے پناہ ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں اس طرح کے بے شمار حقوقکی قیمت لینے کے جوازکے دلائل موجود ہیں ۔[33]
اس لئے مذکورہ دلائل کی بنیاد پہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ تجارتی لائسنس کا کاروبار بھی جائز ہو گا۔
قسطوں پر اشیاء کی خرید و فروخت:
(In order to take on household items installments)
مروجہ مسائل ۔۔۔ گاڑیاں، کھاد، اسپرے، اور دیگر گھر یلو اشیاء کو قسطوں پر لینے کا حکم :
موجودہ دور میں قسطوں پر خرید و فروخت کا عام رواج و تعامل ہے، کیونکہ متوسط طبقے سے وابستہ لوگ بیک وقت اشیاء کی پوری قیمت برداشت نہیں کر پاتے، تو ان کو مجبور اقسطوں پر اشیاء موجودہ بازاری قیمت سے قدرے زیادہ مہنگے داموں خریدنا پڑتی ہیں ...:
قسطوں پر بیع کا مطلب وہ عقدہے جس میں بائع اپنا سامان خریدار کو اسی وقت دیدے ،لیکن خریدار اس چیز کی قیمت فورا ادانہ کرے بلکہ وہ متعین قسطوں کے مطابق اس کی اصل ادا کر دے۔لہٰذا جس بیع میں مذکورہ صورت یا مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت پائی جائے تو اس اس کو "بیع بالتقسیط "کہا جاتا ہے ،چاہے اس چیز کی طے شدی قیمت اس کی بازاری قیمت کے برابر ہو،کم ہو یا زیادہ ۔لیکن "بیع بالتقسیط "میں عام معمول یہ ہے کہ اس میں چیز کی قیمت بازاری قیمت سے زیادہ ہے ۔لیکن اگر خریدار اس چیز کو ادھار خریدنا چاہے گا تو بیچنے والا جب اس کو نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت موصول ہو ۔اس لیے عام طور پر "بیع بالتقسیط "میں نقد بیع کے عوض زیادہ قیمت طے کی جاتی ہے ۔
مدت کےمقابلےپر قیمت زیادہ کرنا :
اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقدفروخت کے مقابلے میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے یا نہیں ۔؟"

البیع نحو ان یبیع الرجل شیا ویستثنی بعضہ ،فاذا کان الذی استثنا معلومانحو ان یستثنی واحدہ من الاشجار او منزلا من المنا زل او موضعامعلوما من لارض صح بالاتفاق ۔[34]

اس مسئلہ پر قدیم و جدید دونوں قسم کے فقہا نے بڑی احسن انداز میں پر مغز دلائل سے بھرپور بحث کی ہے الغرض کچھ علما تو اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں اور اسے ناجائز کیتے ہیں ۔اس لیے کہ قیمت کی یہ زیادتی مدت کے بلے میں ہی ہےاور جو ثمن اس مدت کےعوض دیا جارہا ہے وہ سود کے زمرے میں ہے ۔اگر سود کے زمرے میں نہیں ہے تو کم از کم سود کے مشابہ ضرور ہے ۔یہ موقف زین العابدین علی بن الحسین،الناصر ،المصور باللہ اور ھادویہ کا مسلک ہے ۔علامہ شوکانی نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف میں ان کا یہی مسلک درج کیا ھے۔
جمہور فقہاء محدثین اور ائمہ اربعہ کے نزدیک ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلہ میں قیمت زیادہ لینا جائز ہے ۔بشرطیکہ بائع اور مشتری معاملہ کرتے وقت بیع کے نقد یا ادھار ہونے کا حتمی فیصلہ کرنے بعد ہی مجلس عقد سے الگ ہوں ،تو یہ معاملہ شرعا جائز یو گا،لیکن اگر کسی شق پر اتفاق نہ کیا تھا اور جدا ہو گئے تو اس صورت میں بیع جائز قرار نہیں پائے گی ۔
یہی منبع ہے اور یہی منشا ومقصد ہے اس حدیث مبارکہ کہ جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

نہیٰ رسول اللہ ﷺعن بیعتین فی بیعہ[35]

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺنے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا، بعض معاصر علماء نے اس حدیث کی یہ وضاحت کی ہے کہ "بیعتین فی بیع" سے مراد یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے یہ کہے

کہ میں یہ دکان گاڑی تم کو نقد پندرہ لاکھ میں بیچتا ہوں ، اور ادھار میں بیس لاکھ میں فروخت کرتا ہوں، اور پھر دو معاملہ کرنے والے نقد یا اد ھار کسی ایک بات پر متفق ہوئے بغیر الگ ہو گئے، تو یہ عقد شرعا منعقد نہ ہوگا، اور اگر اسی متعین مجلس میں کوئی ایک شق پر اتفاق کر کے مجلس سے اٹھے۔ تو یہ بیع جائز ہوگا۔

امام ترمذی کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بیع کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کے متعین نہ ہونے سے ثمن دو حالتوں میں متردد ہو جائے گا اور یہ تردد جہالت شمن کو لازم ہو گا، جس کی وجہ سے بیع نا جائز ہو گی، لیکن مدت کے عوض شمن کی زیادتی عدم جواز کا سبب نہیں، لہذا اگر معاملہ متعین کرتے وقت ہی کسی ایک حالت کی تعیین کر کے قیمت کی جہالت کو ختم کر دیا جائے تو پھر اس بیع کےجواز میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں رہے گی۔

جمہور فقہاء اور علمائے معاصرین کا مسلک بھی وہی ہے جو امام ترمذی نے بیان فرمایا ہے ، اور دلائل سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے ۔ اس لیے قرآن و حدیث میں اس کے جائز نہ ہونے پر کوئی صراحت نہیں، اور اس بیع میں ثمن کی جو زیادتی پائی جارہی ہے، اس پر ربا کی تعریف بھی منطبق نہیں آتی۔ کیونکہ وہ قرض نہیں ہے اور نہ یہ اموال ربویہ کی بیع ہو رہی ہے، بلکہ یہ ایک عام بیع ہے ، اور عام بیع میں بائع کو شر عامکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے ، فروخت کرے، اور بائع کے لیے شرعا ضروری نہیں ہے کہ اپنی چیز ہمیشہ بازاری قیمت پر ہی فروخت کرے ، بلکہ حالات کے مختلف ہونے سے قیمت مختلف ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص اپنی چیز کی قیمت ایک حالت میں ایک مقرر کرے اور دوسری حالت میں دوسری مقرر کرے تو شریعت اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی۔

دو قیمتوں میں سے کسی ایک کا متعین کرنا شرط ہے (condition to specify one value) اس شرط کا کر پہلے ضمنا گیا گیا ہے کہ بائع کو اس بات کی اجازت ہے کہ بھاؤ تاؤ کے وقت مختلف قیمتیں ذکر کرے مثلاً یہ کہے کہ نقد آٹھ روپے میں، اور ادھار دس روپے میں فروخت کروں گا۔ اب سوال یہ ہے کیا اس کے لیے یہ صورت جائز ہے، کہ مختلف مدتوں کے تقابل کی صورت میں مختلف قیمتیں متعین کرے ؟ مثلا وہ کہے ایک ماہ کے ادھار پر پچاس روپے میں ، اور دوماہ کے ادھار پر ساٹھ روپے میں اور تین ماہ کے ادھار پر ستر روپے میں بیچتا ہوں اس بارے میں فقہاء سے تو کوئی تصریح منقول نہیں، البتہ فقہا کے سابقہ اقوال پر قیاس کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ جب نقد اور ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں تفاوت جائز ہے تو پھر مدتوں کے اختلاف کی بنا پر قیمتوں میں بھی فرق جائز ہے اس لیے ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ مختلف قیمتوں کا ذکر صرف لین دین کے وقت ہی جائز ہے لیکن بیع کا معاملہ صرف اس وقت جائز ہے جب عاقدین کے در میان قیمت اور مدت دونوں کی تعیین پر اتفاق ہو چکا ہو ، عدم اتفاق کی صورت میں بیج جائز نہ ہوگی۔

اگر بھاؤ تاؤ کے وقت یعنی مجلس عقد میں کسی ایک شق کی تعیین کے بغیر عاقدین اس خیال سے ہو اہو گئے کہ مشترکی ان مذکور دومینوں شنوں میں سے کسی ایک شق کو بعد میں اپنے حالات کے مطابق اختیار کرلے گا، تو یہ بیع بالا جماع حرام ہے ، اور عاقدین پر واجب ہے کہ اس عقد کو فسخ کریں اور دو بار ہ ازسر نو عقد کریں، جس میں کسی ایک شق کو وضاحت کے ساتھ متعین کریں۔ [36]

غیر مقدور التسلیم چیز کی بیع کا حکم :

غیر مملوک (یعنی جو ظاہری ملکیت اور دسترس میں نہیں)اور غیر مقدور التلیم (یعنی جس چیز کو انسان مثتری کے سپرد کرنے پر قدر نہیں) ان اشیاء کی خریدوفروخت کے بارے میں بیان کرتے ہوئےصاحب ہدایہ تالاب میں مچھلی کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ

"ولا یجوز بیع السمک قبل ان یصطاد،لانہ باع ما لا یملکہ ولا فی حظیرۃ اذا کان لا یوخذالا بصیدلانہ غیر مقدور التسلیم :[37]

"شکار کرنے سے پہلے پہلے مچھلی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے ،اس لیے کہ ان اشیاء کو خریدنا اور بیچنا جائز نہیں جن کا وہ مالک ہی نہیں ہےتالاب میں اس مچھلی کی بھی بیع بالکل جائز نہیں ،جب شکار کے بغیر اسے پکڑنا ممکن نہ ہو ہو رہاہو، اس کا مفہوم یہ ہے ہے کہ جب مچھلی کو پکڑ کر باڑے میں ڈال دیا ہو اور اگرحیلہ کے بغیر مچھلیاں پڑھی جا سکتی ہوں تو پھر جائز ہے لیکن اگر از خود مچھلیاں باڑے میں جمع ہوجائیں اور اندر جانے کا راستہ بند نہ کیا گیا ہو توعدم ملک کی وجہ سے ان کا بیع بھی جائز نہیں وگی "

مذکورہ بالا مسئلہ میں واضح اصول بیان کیا گیا ہے ہے کہ جو چیز ملک میں نہیں یاجو غیر مقدور التسلیم ہے اس کی بیع جائز نہیں اور ساتھ ہی مچھلیوں کی خریدوفروخت کی بات ہوئی ہے لیکن ہمارےپاس اس کی صورت قدرے مختلف ہے دریاؤں اور ندی نالوں اور بڑی بڑی نہروں پر مچھلیوں کے شکار کے ٹھیکے ہوتے ہیں در یا تالاب نہر ندی نالے جو عمومی طور پر حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں میں 'موجود مچھلیاں یا جو کبھی بارشوں اور سیلابی پانی سے افزائش پاتی ہیں اور کبھی خود ان کی فارمنگ کی جاتی ہے جسے وہ غیر مقدور التسلیم ہوتی ہیں لیکن ان کو بیچنا یا خریدنا عام مروج ہے جائیں اب شاید اس وجہ سے ہے کہ آج مچھلی پکڑنا ایسا مشکل اور نا ممکن کام نہیں رہا اس ترقی یافتہ دور میں سائینسی ایجادات نے اس کےکئی موثر اور جدید آلات تیار کر دیئے ہیں کہ جن کے ذریعے اب مچھلی کو پکڑنا اب کوئی بہت بڑا مشکل اور لاحاصل کام نہیں رہا ہاں یہ بجا ہے کہ موجودہ دور کے ٹھیکے دار بلا خوف و خطر اس چیز سے پریشان ہوئے کہ ہماری بیع ناجائز ہو جائے گی کثرت سے کر رہے ہیں اور یہ معمول عوام الناس میں آج بھی معروف ہےموجودہ دور کے بہت سے علما ء نے جواز کی بات کی ہے جن میں مولانا شمس پیر زادہ ,مولانا آبدار احمد خان ندوی ،مفتی احمد نادر القاسمی شامل ہیں ان احباب کے جواز کی دلیل کے بارے میں جدید فقہی مباحث میں بیان ہوا ہے اس کو دلیل بنا کر اسے جائز قرار دیا ہے ہے مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات بالکل واضح ہے ہے کہ انہوں نے عرف کو دلیل بنا کر مچھلی کی بیع کو جائز قرار دیا ہے[38]

یہ بات واضح کہ آیا جو عرف اور اس کے جواز کی طرف متوجہ ہوئے ہیں ان کا موقف کس قدر مضبوط اور مدلل ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا اس کی وجہ سے سے کرکٹ کی وجہ سے سے بہت سے مسائل میں میں میں واقع ہوا ہے جس نے علماء کی توجہ اس طرف مبذول کی ہے ہے یہ مسئلہ تغیر عرف کے تحت مسائل کے حکم میں تبدیلی کی بین مثا ل ہے -

موجودہ زمانہ میں بیع معدوم یا بیع قبل القبض:

اور اسی طرح اگر کوئی ایسی چیز خریدی جائے جس کو اٹھا کر منتقل کرنا ممکن نہ ہو مثلا اناج دیگر سامان وغیرہ تو مشتری کیلئے قبضہ سے پہلے اس کے بیچنے کے حکم کے حوالے سے سے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں :

ومن اشتری شیأ مما بنقل ویحول لم یجزلہ بیعہ،حتي یقبضہ لأنہ علیہ السلام نھی:عن بیع ما لم یقبض و لأن فیہ غرر أنفسا خ العقد علي اعتبار الھلاك[39]

جس شخص نے منقولات اور محمولات میں سے سے کوئی چیز خریدی اس پر قبضہ سے پہلے مجھے اس کے لئے وہ چیز بیچنا جائز نہیں ہے اس لیےکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی

بیع سے منع فرمایا ہے اور اس لیے یہ ممنوع ہے کہ ہلاکت کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں فسخ عقد کا دھوکا ہے۔
مذکورہ بالا مسئلہ بالکل واضح ہے کہ وہ چیز قبضے میں نہیں اس لئے جائز نہیں لیکن عرف حاضر میں شیئرز اور کنٹینرز کی خرید و فروخت اور اس کے علاوہ او ایل ایکس ویب سائیٹ پر خرید و فروخت کا حکم ہو گا یا نہیں ہوگا احادیث مبارکہ میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایاہے جو معدوم ہو۔اور یہی مذہب فقہاء کا بھی ہے اسی طرح صاحب ہدایہ بیع سلم اور استصناع کے ناجائز ہونے کا کوئی اس بات پر کیا ہے اس اعتبار سے اگر کوئی اس کے اعتبار سے دیکھا جائے آ تو بیع سلم اور بیع استصناع ناجائز ہے کیونکہ یہ بھی معدوم ہے اس کی اس سے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے ہے کہ صاحب کا یہ کے ہاں بنانا جائز ہے اسی لیے وہ اس کوقیاس کے لئے سبب مان رہے ہیں لیکن عصر حاضر میں بعض تجارتی معاملات میں میں اس چیز کی چھوٹ دینا عرف کا حصہ بن چکا ہے مثلا ہمارے عرف میں بعض کتابوں کے تاجر ایک دوسرے کو کتابیں آرڈر کرتے ہیں وہ بذریعہ خط دوسرے دکاندار سے کہہ دیتے ہیں کہ اس پتے پر مال روانہ کر دیا جائے اتنا مال ان ان کے کھاتے میں لکھ دیں اور وہ مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے دوسری پارٹی پر فروخت کر دیتے ہیں اور دوسرا دوکاندار اس کے کھاتے میں حساب لکھ دیتا ہے یہ دولت کمانا جائز ہے ہے موجودہ زمانہ میں اس طرح کی خریدوفروخت کے بارے میں مفتی منیب الرحمان صاحب لکھتے ہیں ہیں ہمارے اور فوٹو عورت کا معمول بن چکا ہے اور عرف نص کی طرح موثر ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ اردوبازارلاہور ہویاردوبازارکراچی کتاب فروش دوکانداروں کا یہ عرف بن چکا ہے ہے اسی پر عرف اور اور کا عمل جاری و ساری ہے بہت سے پبلشرز کا اپنے اپنے شہر سے باہر کتابوں کی ترسیل کا نظام ہوتا ہے جبکہ ایک عام دکاندار اگر مطلوبہ کتابیں اپنے طور پر بھیجے تو مہنگی پڑتی ہیں اور دکانداروں کے اس کام میں کوئی قسم کا پیدا نہیں ہوتا پبلیشر آج کل د کاندار اپنے کھاتے میں رقم کا اندراج کر لیتا ہے ہے اور بعد میں میں وصول کرلیتاہے۔
اسی طرح آج کے دور میں ایک انٹرنیشنل لیول پر شپنگ کا کاروبار بڑا معروف ہے جس میں جس میں عمومی طور پر قبضہ سے پہلے شپنگ کی خریدوفروخت کی جاتی ہے جس کے بارے میں منیب الرحمٰن لکھتے ہیں اسلامی بینکنگ کے لئے لیے ہے ہے اور معاییر شرعیہ مسلمہ نافذالعمل ہے ان کے مطابق مثلا جاپان سے وہاں کا تاجر مال کی تمام دستاویزات کراچی میں اپنے تاجر کو بھیج دیتا ہے اور مال کی ملکیت کی ان دستاویزات کو اس کے حوالے کر دیتا ہے اور اسے قبضہ حکمی سے تعبیر کر کے عقد مرابحہ کر لیا جاتا ہے ہے اور بینک رقم کی ادائیگی کر دیتا ہے، جائز ہے مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہے کہ موجودہ معاشرتی تبدیلی بھی اس مسئلہ پر اثر انداز ہوئی ہے اور اکثر شعبہ جات میں تاجروں نے اسے قبول کر لیا ہے فقہاء کے ہاں تفقہ اور مدلل ہے کہ تاجروں کا عرف ان کے لیے سند ہوتا ہے لہٰذامزکورہ بالا دلائل اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔
تلقی جلب اور ویلیوایشن کا عرف حاضر میں حکم:
صاحب ہدایہ اس چیز کوفصل المکروہات میں ذکر کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا ہے کہ ایک شخص ان لوگوں سے شہر کے باہر سے اشیائے ضرورت فروخت کر کے لے آتے ہیں راستے ہی میں ان سے کم دام میں خریدے اور پھر مارکیٹ میں زیادہ دام میں فروخت کرتے ہیں اسے حدیث مبارکہ میں" بیع الحاضر للبادی "کی بیع سے تعبیر فرمایا گیا ہے اس سے کاروبار متاثر ہوتا ہے جس میں دیہاتیوں کا

حق پامال ہوتا ہے ہے صارفین کا بھی نقصان ہوتا ہے ہے لیکن موجودہ دور کےاحوال کے بدلنے کے باعث اس کا مفہوم بدل چکا ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس حکم میں تغیر فرمایا ہے ۔
اس مسئلہ کے حوالے سے موجودہ دور کے مفتی منیب الرحمان لکھتے ہیں "موجودہ دور میں اڑتی یا کمیشن ایجنٹ کا ادارہ ناگزیر ہوا ہے اور حکومت کے لیے اسے کنٹرول کرنا یا ختم کرنا مشکل ہے کیونکہ دوردراز سے مال لے کر صنعتکار یا کاشت کار کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اپنے مال کو شہر میں آکر فروخت کرے اور براہ راست صارفین کو بیچے مثال کے طور پر آج بہت سے تاجر دیہات میں جا کر براہ راست مال خریدتے ہیں تاجر باغات کے قریب اپنے پروسیسنگ پلانٹ لگا لیتے ہیں زیادہ منافع کماتے ہیں اسے آجکل کی معاشی اصطلاح میں ویلیو ایڈیشن کہا جاتا ہے"[40]
مفتی منیب الرحمان صاحب بڑے واضح انداز میں اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تلقی جلب کا تصور اور طریقہ کا رپہلے دور میں رائج تھا موجودہ حالات اس سے بالکل بدل چکے ہیں لہذا اس کی شرائط لگانا ممکن نہیں ہیں اس لئے حکم میں آج کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے جائز قرار دے دیا گیا ہے۔

زندہ جانور کو تول کر بیچنا:

موجودہ دور میں بہت سےاقوال میں جانور کو تول کر بیچنا معروف ہوا ہے بالخصوص عید الاضحیٰ کے موقع پر ایسا بہت دیکھنے کو ملا ہے ۔جب کہ صاحب ہدایہ کے عرف میں زندہ جانوروں کو تول کر بیچنا معروف نہ تھا جس کا ذکر وہ خود ایک مقام پر جانوروں کی بیع کے باب میں کرتے ہیں۔

"ان الحیوان لا یوزن عادۃ"[41]

بے شک جانور کو تول کر بیع کا رواج نہیں ہے ۔ چوں کہ پہلے زمانہ میں جانوروں کو پالنے کیلئے ایسا کوئی انتظام نہیں تھااور نہ ہی ایسے آلات موجود تھے جس طرح آج کل متعارف ہیں اور ہدایات میں جو ا س کے نا جائز ہونے کا فتوی نظر آتا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ جس چیز کو تولا ،ماپا اور گنا جا سکے اس کی بیع میں یقینا اختلاف واقع ہو سکتا ہے جبکہ موجودہ دور میں میں آلات کی موجودیت اس ابہام کو ہی ختم کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو تول کر بیچنا اور خریدنا جائز قرار دے رہے ہیں جیسا کہ دارالافتاء اہلسنت سنت موجودہ دور میں اس سوال کی بابت جواب دیا ہے کہ" زندہ جانور کو وزن کرکے خریدنا اور بیچنا جائز ہے ۔"[42]
اسی طرح دارالافتاء جامعہ بنوریہ کراچی اور دارالافتاء دیوبند جواز کا فتوی دیتے ہیں ۔
"جو دور حاضر میں بہت سی جگہوں میں یہ رواج ہے کہ جانوروں کو وزن کرکے فروخت کرتے ہیں ۔ اگر یہ خریدوفروخت باہمی رضا مندی سے ہو اور جانور کا گوشت وزن کرکے نقد رقم کے عوض خریدا جائے تو یہ جائز ہے ۔"[43]
لیکن معلومات سے پتہ چلتاہے زمانے کی وجہ سے بہت سی چیزیں مسائل پر اثر انداز ہوتی ہیں جو کہ اسلاف کے ہاں ناپ، تول اور وزن کے پیمانے ان میں موجود نہ تھے اور سبب اختلاف کو رفع کر سکتے ہیں لہذا انہوں نے حکم اپنے دور کے مطابق دیا اور آج جوں کہ تولنا بالکل ممکن ہے۔ لہذا موجودہ دور کے علماء اور فقہا اس کے جواز کی طرف گئے ہیں

خلاصہ کلام:

تفصیلات مذکورہ سے واضح ہوا کہ شریعت اسلامیہ کو حالات زمانہ سے ہم آہنگ (Up-to-date) رکھنے کے لیے شریعت کے ذیلی ماخذ استحصان و مصالح مرسلہ وغیر ہ کے ساتھ ساتھ خاص طور پر تیزی بدلتے ہوئے عرف و عاد ت کے تقاضوں کا لحاظ از بس ضروری اور لازمی ہے۔ اس سلسلے میں مسلم معاشرے اور سماجی نظام کے عرف پر ہی اکتفا نہ کر کے غیر مسلم دنیا کے

معقول اور مصلحت پرمبنی عرف کو بلا تکلف تسلیم کرنا اور شریعت کا حصہ بنانا چاہیے، دین اسلام کے سیاست سے کٹ جانے اور عرصہ دراز سے دنیا کے معاملات سے شریعت کے بڑی حد تک غیر متعلق ہو جانے سے اس کا معاملہ یوں بھی انقباض و جمود اور تعطل کا شکار ہے۔ اس کے لیے عین دین و شریعت کے مفاد کا تقاضا ہے کہ معاملات دنیا اور نظام حکومت وسیاست کے پھیلے ہوئے دائرے سے متعلق صالح اور مبنی بر مصلحت عرف و عادت کو دین کا حصہ قرار دیا جائے، اور اس کے ذریعے سے اللہ کے اس آخری دین کو دین رحمت کی صورت میں سامنے لایا جائے جو کہ حقیقت ہے۔ عرف وعادت دین اسلام کا ایک اہم قانونی ماخذ ہے جو اسلامی قانون میں ثبات دووام کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کی لچک پیدا کرتا ہے اور اس کو بولتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ معاملات میں بے شمار مسائل ہیں جو اس سے متعلق ہیں، عرف کے ذریعے شریعت کی بہت سی تعبیرات کے مصداق متعین کرنے میں معاونت لی جاسکتی ہے اور اس کے ذریعے متکلم کا مقصود معلوم کیا جاتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

---

1 دکتور محمد صدقی بن احمد،الوجیزفی ایضاح قواعدالفقہ الکلیۃ۲۷۳/۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ

2 علی بن محمد بن علی الجرجانی،کتاب التعریفات۱۴۹/۱،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،۱۴۰۳ھ

3 زین الدین بن ابراہیم بن نجیم الحنفی،الاشباہ والنظائر ۷۹،۱،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۱۹ھ

4 سورۃ الاعراف۱۹۹/۷۔

5 جلال الدین سیوطی،الاکلیل فی استنباط التنزیل۱۳۲،۱،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۰۱ھ

6 سورۃ المائدۃ۵ /۸۹

7 عبد الحلیم بن عبد السلام،ابن تیمیہ،الفتاوی الکبریٰ لابن تیمیہ۱۹۹،۴،دارالکتب العلمیہ،۱۴۰۸ھ

8 علاءالدین،ابوبکر بن مسعودبن احمد کاسانی،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۳،۵،دارالکتب العلمیہ،۱۴۰۶ھ

9 ابو الحسن،علی بن ابی علی آمدی،الاحکام فی اصول الاحکام۱۵۶،۴،المکتب الاسلامی،بیروت دمشق۔

10 محمد بن اسماعیل بخاری،الجامع الصحیح البخاری۶۵،۷[حدیث۵۳۶۴]،دار طوق النجاۃ،۱۴۲۲ھ

11 ابن عابدین، محمدامین بن عمربن عبدالعزیزعابدین،دمشقی، ردالمختارعلیٰ الدر المختار ۱۴۷،۳، دارلفکر بیروت،طبعۃالثانیہ۱۴۱۲ھ

12 یوسف بن موسیٰ بن محمد،المعتصر من الختصر من مشکل الآثار۲۲،۲،عالم الکتب،بیروت،بدون تاریخ

13 جلال الدین سیوطی ،الاشباہ والنظائر۷،۱،دارلکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۱۱ھ

14 الاشباہ والنظائرلابن نجیم۷۹،۱

15 محمد عمیم الاحسان،قواعد الفقہ۷۴/۱،صدف پبلیشرز،کراچی،۱۴۰۷ھ

16 محمد مصطفیٰ الزخیلی،القواعد الفقہیۃ وتطبیقاتھا فی المذاھب الاربعۃ۳۴۵/۱، دارالفکر،دمشق،۱۴۲۷ھ

17 ردالمختارعلیٰ الدر المختار۶۰۲،۳۔

18 وعن محمد أن بيع التعاطي كما يثبت بقبض البدلين يثبت بقبض أحدهما، وقال صدر القضاة وغيره: إن بيع التعاطي بيع وإن لم يوجد تسليم الثمن.(بدر الدین عینی،البنایۃشرح الہدایۃ۷،۸،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۲۰ھ

19 القواعد الفقہیہ وتطبیقاتھا فی المذاہب الاربعۃ۱،۳۰۲،

20 القواعد الفقہیہ وتطبیقاتھا فی المذاہب الاربعۃ۱،۳۳۸۔

21 القواعد الفقہیہ وتطبیقاتھا فی المذاہب الاربعۃ۱،۳۳۶۔

22 محمد صدیقی بن احمد،الوجیزفی ایضاح القواعد الفقہ الکلیۃ۱،۲۸۲،موسسۃالرسالۃ،بیروت،۱۴۱۶ھ

23 شمس الائمۃ،محمدبن احمد،سرخسی،المبسوط۱۳،۱۴۔۱۵،دارالمعرفۃ،بیروت،۱۴۱۴ھ

24 المبسوط،۱۲،۱۹۶۔

25 سید عبد الکریم زیدان،الوجیز فی اصول الفقہ ص۳۱۶،مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور۔

26 دکعورصالح بن غانم السدلان، القواعد الفقہیۃ الکبریٰ وما تفرع عنھا،ص۳۵۷، دار بلنسیۃ للنشر والتوزیع،۱۴۱۷ھ

27 سورۃ الطلاق۲/۶۵۔

28 سورۃالبقرۃ۲۲۳/۲۔

29 احمد بن علی،الجصاص،احکام القران۱،۲۰۰،دار الکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۱۵ھ

30 شہاب الدین احمد بن ادریس المالکی،الفروق للقرافی۱،۱۷۶،علم الکتب،بدون تاریخ۔

31 الشامی ،ابن عابدین ،شرح عقود رسم المفتی ،ص79،مکتبہ البشرٰی کراتشی

32 مر قات المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ،کتاب النکاح ،ج3،ص409ممبئی

33 الشامی ،ابن عابدین ،ردالمحتارعلی الدرالمختار ،ج 4 596ص، دارالعلمیہ ،بیروت لبنان

34 الشوکانی ،محمد بن علی بن محمد نیل الاوطار ،ج 5 ص 180 ،مکتبہ دارالحدیث یورپ

35 الترمذی،ابو عیسٰی،سنن ترمذی ،کتاب البیوع،ج 2 ،ص524،دارا المغرب الاسلامی بیروت

---

36 مفتی محمد تقی عثمانی ،فقہی مقالات ،ج 1 ص 85 میمن اسلامک پبلیکیشنز ،

37مرغيناني،برہان الدین علی بن ابی بکر،ہدایہ ،ج3،ص 43،مکتبہ رحمانیہ کراتثی
38 مجاہد الاسلام،مولانا قاضی،مجاہد الاسلام قاسمی،جدید فقہی مباحث،مچھلی کی خریدو فروختفقہ اسلامی کی روشنی میں ،کتب خانہ نعیمیہ ج9ص27
39 مرغینانی،برہان الدین،علی بن ابی بکر ،ہدایہ،ج3،ص59،مکتبہ رحمانیہ کراتشی
40 منیب الرحمن ،تفہیم المسائل ،ج ،3،ص 65،ضیالقرآن پبلیکیشنز
41 مرغینانی،برہان الدین،علی بن ابی بکر ،ہدایہ،ج3،ص59،مکتبہ رحمانیہ کراتشی
42 .https :\\www.daruriftaahlesunnat.net\ detail \ur\&)701\25\6a:M28June2020
43 https \www.daruifta.deoband.com\home\ur\business\156112,8:am,24 april 2020